

لامذہبی دور کا علمی و تاریخی پس منظر

جناب محمد تقی صاحب امینی صدر دارالعلوم و صدر دینی تعلیمی کا نفرنس راجستھان -

(۴)

مذہب و حجتی پر مذہب فطرت | مذہب فطرت نے مذہب و حجتی پر غلبہ حاصل کرنے میں سیاسی انداز اختیار کیا تھا
کے غلبہ پانے کا سیاسی انداز | جس کی صورت یہ تھی کہ ابتدا میں اس نے ہر شے کو عقلی معیار پر جانچنے کی تبلیغ
کی اور جو شے اس معیار کے مطابق نہ ہو اس کو ”وحی“ سمجھنے سے انکار کر دیا۔

اس مرحلہ میں یقین تھا کہ جو کچھ صحیفوں میں لکھا ہوا ہے وہ عقل کے بالکل مطابق ہے اس لئے مخالفت
زیادہ نمایاں نہ ہو سکی۔ اگرچہ عقل کے غلبہ سے ایمان و وجدان کی کیفیت کو زبردست نقصان پہونچا اور
”کلیسا“ دور جدید کے اچھے پہلوؤں کے ساتھ بڑی حد تک بڑے پہلوؤں کا بھی حامی بن گیا۔

پھر چونکہ معجزات اور نفس ”وحی“ پر بحث و تحقیق کا سلسلہ شروع ہوا کہ :-

”چونکہ معجزات سے خدائی کام میں خلل پڑتا ہے اس لئے خدا اپنے کام میں معجزوں

سے خلل انداز نہیں ہو سکتا ہے۔

”اور نہ وہ یہ کر سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو براہ راست ”وحی“ بھیجے اور دوسروں کو

اس سے محروم رکھے یہاں تک کہ بعض لوگ اس سے واقف بھی نہ ہو سکیں“

اس کے بعد درج ذیل خیال کی اشاعت عام ہو گئی۔

”چونکہ فطری مذہب اکتفا کرتا ہے اس لئے ”وحی“ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نیز طبعی و

اخلاقی دونوں حیثیتوں سے ”وحی“ ناممکن ہے“ لے

لے تاریخ فلسفہ جدید جلد دوم ص ۱۲۵۸

مذہب اور زندگی کے بنیادی امور | مذہب فطرت والوں نے بالواسطہ اور آزاد خیال لوگوں نے بلاواسطہ مذہب اور
 میں عقل دخل انداز نہیں ہو سکتی | زندگی کے حالات میں تصفیہ کے لئے "عقل" کو معیار تسلیم کیا ہو۔ ذیل میں

قدرے وضاحت کی جاتی ہو کہ ان دونوں کے اہم معاملات میں کیا واقعی "عقل" معیار بن سکتی ہو؟

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حقائق و اشیاء کے ثابت کرنے کے لئے عقل نہایت سفید و موثر ذریعہ
 ہو لیکن تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ مذہب اور زندگی میں اس کی دخل اندازی کی ایک حد مقرر ہے
 اُس حد سے باہر دخل دینے کی یا تو اس میں بہت نہیں ہو اور یا اس کی مداخلت بے سود اور بے اوقات
 ضرر رساں ثابت ہوتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کے اکثر و بیشتر لمحات میں عقل بے بس ہے یہ لمحات محض جذبات و
 مرغوبات کی تاریکیوں میں طے ہوتے ہیں وہاں عقل کی رہنمائی ہوتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو اس
 سے کوئی خاص نتیجہ نہیں برآمد ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کیسے باور کر لیا جائے کہ جوشی انسان کی عقل
 و فہم سے خارج ہو وہ اس کی زندگی سے بھی خارج ہو۔

اسی طرح مذہب کے بنیادی امور عقلی حدود سے ماورسی ہیں عقل کی پرواز کا جو انتہائی مقام
 ہے مذہب کا وہ نقطہ آغاز ہے اور مذہب کی جہاں سے ابتدا ہوتی ہے عقل کی رسائی وہاں ختم
 ہو جاتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ عقلی مباحث کا تعلق بڑی حد تک فطرت و کائنات فطرت کے واقعات و مشاہدات
 اور تجربات سے ہے لیکن حقیقی مذہب کی بنیاد کا تمام تر تعلق فوق الفطرت ہستی یا ان چیزوں سے ہے
 جو انسانی عقل و تجربہ کی دسترس سے ماورسی ہیں۔

ایسی صورت میں عقل کو مذہب وحی کا تجربہ کر کے اس کے بنیادی امور کی تردید کا کیونکر حق
 پہنچ سکتا ہے؟ اور وہ تردید کیسے قابل قبول بن سکتی ہے؟

عقل کی زود اثری اور | پھر عقل اس قدر زود اثر اور متلون مزاج واقع ہوتی ہے کہ ہر دور و ہر زمانہ میں
 متلون مزاجی کے چند نمونے | وہ بدلتی رہتی ہے بلکہ ایک ہی زمانہ کے مختلف افراد اور ایک ہی شخص کے مختلف

اوقات و احوال میں بھی عقلی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ ایسی عقل کو معیار تسلیم کرنے میں انسانی زندگی اور مذہبی صداقتوں کا جو بھی حشر ہو جائے وہ کم ہے۔

جن امور میں عقل کو دخل دینے کا بجا طور پر حق حاصل ہو ان میں اس کی مداخلت کا یہ عالم ہے کہ بدیہیات و مشاہدات تک کی جڑیں اکھاڑ پھینکی ہیں۔ ذیل میں چند ”نمونے“ ذکر کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ مذہب کے بنیادی امور کو اس کی دسترس سے ماورائی رکھنے میں کس قدر حکمت و دوراندیشی کا راز ہے۔ ؟

استبعاد زینو فلسفی | (۱) حرکت کس قدر بدیہی اور مشاہدہ میں آنے والی ہے۔ اس وقت جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ بھی قلم کی حرکت کے بغیر ناممکن ہے لیکن قدیم فلسفی ”زینو“ (پیدائش قبل مسیح) کی عقل کہتی ہو کہ یہ محض فریب اور دھوکا ہے حرکت ناموجود بلکہ ناممکن الوجود ہے۔

چنانچہ وہ کہتا ہے :-

”حرکت کا تصور ناممکن ہے کیونکہ حرکت کے نقطہ آغاز سے اس کے نقطہ انجام یا نقطہ سکون تک جو خط ہے وہ نقطوں سے بنا ہوا ہے اور چونکہ نقطہ امتداد نہیں رکھتا اس لئے اس خط میں نقطے لامحدود تعداد میں ہیں اس لئے ہر فاصلہ خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا ہو لامحدود ہے اور نقطہ سکون تک کہیں رسائی نہیں ہو سکتی۔“

تیز رو ایکلیز (Achilles) (یونان کا ایک مشہور تیز رفتار بہادر) اور زیادہ ترین قیاس ”خروگوش“ (کھوے سے خواہ وہ کتنا ہی قریب ہو اس کچھوے کو کبھی نہیں پکڑ سکتا کیونکہ اس کو پکڑنے کے لئے پہلے اسے آدھا فاصلہ طے کرنا پڑے گا خواہ وہ کتنا ہی تھوڑا ہو پھر اس آدھے کا آدھا پھر اس آدھے کا آدھا اور یہ سلسلہ غیرتناہی ہے۔ خط کا غیرتناہی طور پر قابل تسلیم ہونا ایسی مشکل ہے جس پر وہ غالب نہیں آ سکتا۔

۱۔ مذہب و عقلیات ص ۳ ۲۔ مقدمہ فلسفہ حاضرہ ص ۸

تم سمجھتے ہو کہ ”تیر“ فضا میں سے گزرتا ہے لیکن منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ نقاط فضا کے ایک سلسلہ کو طے کرے۔ لہذا یہ یکے بعد دیگرے ان تمام نقطوں پر جاگزین ہوگا لیکن کسی ایک خاص لمحے میں فضا کے ایک نقطے پر ہونا سکون کا مراد ہے اس لئے تیر ہر لمحے میں ساکن ہو اور اس کی حرکت محض نظر کا دھوکا ہے۔

مزید براں اگر حرکت واقع بھی ہو تو یہ مکان یا فضا میں واقع ہو سکتی ہے۔ اب فضا اگر کوئی حقیقی چیز ہے تو کسی فضا میں اس کا وجود ہے۔ یہ فضا پھر کسی فضا ہی میں موجود ہو سکتی ہے اور یہ سلسلہ لاتنا ہی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ حرکت ہر زاویہ نگاہ سے ناممکن ہے اور اس کو حقیقی کہنا بالکل لغویات ہیں۔ فلسفہ میں یہ سب استبعاد ”زینو“ کے نام سے مشہور ہیں۔^{۵۲}

ظاہر ہے کہ ”زینو“ کی عقل کا یہ استدلال کس قدر عجیب و غریب ہے۔ اس کے باوجود نہ اس کو کوئی خاموش کر سکا اور نہ ہی استدلال میں اس کی زبان یا قلم کو جو حرکت ہو رہی تھی اس کو کوئی ”روک“ لگا سکا۔

بارکلی کا فلسفہ (۲) اشہار کے خارجی وجود میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ انسان۔ حیوان۔ آفتاب و ماہتاب وغیرہ سبھی کا وجود مشاہدہ میں آتا ہے لیکن بارکلی BERKELEY (پیدائش ۱۶۸۵ء وفات ۱۷۵۳ء) فلسفی کی عقل کہتی ہے کہ یہ سب موجودات ذہنی تصورات ہیں اور ذہن سے باہر کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔

چنانچہ وہ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کہتا ہے :-

”وہ خارجی اشیاء جو ہمارے تصورات کی اصل ہیں یا قابل ادراک ہیں یا ناقابل ادراک۔ اگر وہ قابل ادراک ہیں تو وہ ”تصورات“ ہیں۔ اس حالت میں مفروضہ اشیاء خارجی اور ان کے تصورات میں کوئی فرق نہ ہوگا اور ہماری بات صحیح ثابت ہو جائیگی

۱۔ تاریخ فلسفہ ص ۲ ۵۲ مقدمہ فلسفہ حاضرہ ص ۵

ادراگر یہ مفروضہ اشیاء خارجی قابل ادراک نہیں ہیں تو میں پوچھوں گا کہ کیا اس بات کے کچھ معنی ہو سکیں گے کہ رنگ ایک ایسی شے کی طرح ہے جو غیر مرنی ہے، نیز سختی و نرمی کا احساس ایک ایسی شے کی طرح ہے جو قابل لمس (چھونے) ہے۔ لہذا اشیاء اور ان کے تصورات میں کوئی حقیقی فرق نہیں۔ محسوس اور تصور ہم معنی لفظ ہیں.....

..... ادراک تصورات میں نفس اشیاء کو پیدا کرتا ہے اس لئے ادراک اور تخلیق کے اعمال ایک دوسرے سے مختلف نہیں اور تصورات ہی اشیاء ہیں.....

..... خالق فطرت جن تصورات کا نقش ہمارے حواس پر ڈالتا ہے ان کو اشیاء حقیقی کہتے ہیں اور جو تصورات تخیل میں پیدا ہوتے ہیں ان میں باقاعدگی وضاحت اور استقلال کم ہوتا ہے اسی لئے ان کو اشیاء کی شبیہیں یا تصورات کہنا نہایت موزوں ہے۔ احساس کے تصورات دماغ کے پیدا کئے ہوئے تصورات سے زیادہ قومی مربوط اور مرتب ہوتے ہیں مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا وجود ذہن سے خارج ہے۔ ادے کا وجود ایک دھوکا ہو تصور اس کے تواتر سے علیحدہ "وقت" کوئی چیز نہیں۔ اور نفس سے علیحدہ "مکان" کا کوئی وجود نہیں صرف نفوس موجود ہیں اور ان کو تصورات کا ادراک یا بذات خود ہوتا ہے یا اس قادر مطلق روح کے عمل سے جن پر انکار انحصار ہے

"بارکلی" نے یہ نظریہ نہایت پر زور دلائل سے ثابت کیا ہے اس کی اصل چاشنی سے واقفیت بالتفصیل مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتی ہے لے

اور اس پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں مثلاً جن چیزوں کا خارج میں مشاہدہ کیا جاتا ہے سورج چاند تارے دریا پہاڑ وغیرہ کیا یہ سب محض فریب اور دھوکا ہیں؟ یا اس اصول کے مطابق کیا ہم تصورات ہی کھاتے پیتے اور تصورات ہی پہنتے اوڑھتے ہیں؟ وغیرہ ان سب کے جوابات اس انداز میں ہیں کہ جنہیں دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔

لے ملاحظہ ہو تاریخ فلسفہ مصنف الفرڈ ویبر

لیکن پھر بھی سوالات کا حق محفوظ رہا اور بہت سے ایسے ہیں کہ جن کے جواب سے غالباً "بارکھ" عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ مثلاً اگر یہ بات صحیح ہے کہ غیر مد رک اشیا کا کوئی وجود نہیں ہے تو گہری نیند کی حالت میں روح کہاں چلی جاتی ہے؟ یا اگر ذہن سے باہر کسی شے کا وجود نہیں اور شے دیکھنے ہی سے موجود ہے تو سو جانے کے بعد کون اس کا درک کرتا ہے جبکہ شے موجود رہتی ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ "بارکھ" اشیا کے خارج از ذہن ہونے کا قائل نہیں ہے مگر نفوس کی کثرت کو وہ ماننا ہے لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ دیگر نفوس بھی موجود ہیں؟ نیز کون سے نفوس ہیں جو شے کا ادراک کرتے اور اس کو معدوم ہونے سے بچاتے ہیں؟ وغیرہ۔

ہیگل کا فلسفہ (۳) منطق و فلسفہ کی کتابوں میں برابر یہ تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ "تناقض محال ہے" نہ کبھی اس کے خلاف کا خیال گذرتا تھا اور نہ ہی عقل یا ور کرنے کے لئے تیار تھی لیکن جدید دور کے مشہور فلسفی "ہیگل (پیدائش ۱۷۷۷ء و وفات ۱۸۳۱ء) HEGEL" کی عقل نے اپنا پروردگار میں بتا کر دیا کہ تناقض نہ صرف ممکن بلکہ بکثرت پایا جاتا ہے حتیٰ کہ کائنات کا وجود محض تناقض پر مبنی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

"ہستی کی ان مختلف صورتوں کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ہستی خالص جس کے سوا کچھ نہیں کوئی اور شے کیسے بن جاتی ہے؟ کس مبداء یا قوت باطنی کی وجہ سے اس میں تبدیلی صورت واقع ہو جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہستی میں جو تناقض پایا جاتا ہے وہی اس کا مبداء یا قوت ہے۔ تصور ہستی میں سب سے زیادہ کلیت پائی جاتی ہے اس لئے یہ تصور سب سے زیادہ بے مایہ ہے سفید ہونا سیاہ ہونا تمد ہونا اچھا ہونا کچھ نہ کچھ ہونا ہے لیکن بلا تعین ہستی مرادف نیستی ہے لہذا بسیط اور خالص ہستی عدم کے برابر ہے۔ ہستی اپنا آپ بھی ہے اور اپنا متضاد بھی اگر یہ صرف اپنا آپ ہی ہوتی تو بالکل غیر متحرک اور لا حاصل ہوتی اور اگر یہ لاشی محض ہوتی تو صفر کے برابر اور بالکل بے قوت و بے اثر ہوتی لیکن چونکہ یہ وجود و عدم دونوں ہے اس لئے یہ کوئی شے مختلف شے یا ہر شے بن جاتی ہے۔ ہستی کا داخلی تناقض حدود یا ارتقار

کے تصور سے رفع ہو جاتا ہے، حدوث میں ہستی بھی ہے اور نیستی بھی۔ (بعد میں ہونے والی بات) ہستی اور نیستی جن کے تضاد سے یہ پیدا ہوتا ہے دونوں اس کے اندر متفق طور پر موجود ہوتی ہیں۔ پھر ایک نیا تضاد جو ایک نئی ترکیب سے رفع ہوتا ہے یہ عمل جاری رہتا ہے یہاں تک ہم ایک تصور مطلق تک پہنچ جاتے ہیں۔ لہذا ہیگل کی منطق میں یہی چیز مبدع و محرک ہے کہ تناقض کے اندر وحدت پیدا ہوتی ہے پھر ایک نئی صورت میں تناقض پیدا ہوتا ہے تاکہ پھر ناپید ہوا اور پھر پیدا ہو یہاں تک کہ بالآخر وحدت انتہائی میں بالکل رفع ہو جائے۔“

”ہیگل“ بنیادی حیثیت سے جس نقطہ نظر کا حامل ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں البتہ جس

انداز سے وہ معارضات کا پردہ اٹھا کر اپنے مسلک کو واضح کرتا ہے اس کی ادنیٰ اچھلاک یہ ہے :-

”تناقض صرف فکر ہی میں نہیں بلکہ اشیا کے اندر موجود ہے ہستی خود تناقض ہے جب موجود ہستی اور ثنویاتی نظامات کے مطابق ہم فکر کو اس کے مکفور سے علیحدہ کر کے ہر ایک کو ایک مستقل ہستی خیال کرتے ہیں تو تناقضات فکر ہمت شکنی اور تشکیک کا سرچشمہ بن جاتے ہیں لیکن حیب فطرت کو فکر کا ارتقار ذات کہیں اور فکر کو فطرت کا شعور ذات جب ہم یہ سمجھ لیں کہ کائنات فکر کی پیکر پذیر کی ہے اور اس لئے اس میں فکر کے سوا کچھ نہیں تو فلسفی جس تناقض میں مبتلا ہوتا ہے وہ اشیا کو سمجھنے میں مزاحم نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس راز سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ تناقض عین اشیا ہے اور فکر کا تناقض اشیا کے تناقض کا آئینہ ہے۔“

ان تفصیلات سے بخوبی واضح ہے کہ عقلی معیار نہایت ناپائدار اور تناقض ہے نیز جو شے اس معیار

پر پوری اترنے کی مدعی ہو وہ کوئی پائدار اور ثابت حقیقت نہیں قرار پاسکتی ہو اس بنا پر مذہب کی اصل حقیقت کو جانچنے کے لئے عقلی معیار درست ہو سکتا ہے اور اس معیار کے بعد کوئی اس کی پائدار حقیقت برقرار

رہ سکتی ہے۔

عقلی امور میں عقل کی زبردستی | ان تفصیلات سے یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ عقل کا ترزل و تناقض مذموم ہے بلکہ
اثری اور تلون مزاجی محدود ہے | جن امور میں اس کو دخل بنایا گیا ہے ان میں اس کی یہ حیثیت ہی قابلِ صداقت ہے
اگر اس انداز میں وہ بروئے کار نہ آتی ہے تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔

کون انکار کر سکتا ہے کہ کائنات کی ہست و بود کی نیرنگیاں و حسن افزوئیاں اسی عقلی تنوع و تلون
کی بدولت قائم ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اپنی وسیع چادر سمیٹ لے تو کارخانہ ہستی کی ترقی پذیر حیثیت
ختم ہو جائے اور یہ دنیا جانوروں کا بھٹ بن کر رہ جائے۔ یہی قدرت کی کار فرمایوں اور جلوہ گریوں کا مشاہدہ
کر کے ایک طرف تحقیقات کے لئے بے شمار دفتیر برآمد کرتی ہے اور دوسری طرف نظر و اعتبار کے مختلف پہلو عطار
کرتی ہے جس کی بنا پر یہ کارخانہ روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

مذہب اور زندگی میں بھی | مذہب اور زندگی کے معاملات میں بھی اس کی خدمات کچھ کم نہیں ہیں اس نے کار سازی
عقل کی کافی خدمات ہیں | کو دیکھ کر کار ساز کا پتہ لگایا ہے۔ عمل کو دیکھ کر عامل کی تحقیق کی ہے۔ عمارت کی
موجودگی سے "معمار" پر استدلال کیا ہو، صنعتی کے وجود سے صانع کی جستجو کی ہے اس طرح مظاہر قدرت کا
مشاہدہ کر کے قادر مطلق اور عقل دار ارادہ رکھنے والی مافوق الفطرت ہستی (خدا) کا سراغ لگانے میں بڑی حد تک
کوشش کی ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہو کہ اس کا خدا سمندر پار سے علت و معلول کے مراحل طے کر کے "علت العلل"
کی شکل میں نمودار ہوا ہے۔

اس ایجابی پہلو کے علاوہ اس کی سلبی خدمات بھی "آب زر" سے لکھنے کے قابل ہیں۔ چنانچہ عقل و
ارادہ رکھنے والی ہستی کی کار فرمایوں اور کارگزاریوں کو دیکھ کر اس نے اندھی بہری فطرت۔ بے جان
مادہ اور بے حس الیکٹروں کو فاعل و خود مختار تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچی
ہے کہ عقل کی قلت و سطحیت انسان کو بے دینی کی طرف مائل کرتی ہے اور اس کی وسعت و گہرائی مذہب سے
قریب کر دیتی ہے۔ جیسا کہ مشہور فلسفی "بکن" (BACON) (پیدائش ۱۵۶۲ء وفات ۱۶۲۶ء)
کہتا ہے۔

”بکن“ فلسفی کا اظہار حقیقت | ”اگرچہ تھوڑی تحقیق سے انسان ”دہریہ“ ہو جاتا ہے لیکن گہری تحقیق پھر اقرار خدا کی طرف واپس لے آتی ہے۔ دہریت سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی روحانی فطرت کو امداد اور سہارے کی ضرورت ہو تاکہ اس کی جسمانی فطرت اس کو قدر مذلت میں نہ جا گرائے۔ انسان ایک اعلیٰ ہستی کے تعلق سے اسی طرح شریف ہو جاتا ہے جس طرح کتا انسان کے تعلق سے۔ لیکن توہم پرستی دہریت سے بدتر ہے۔ خدا کی نسبت بے اعتقادی ایسے اعتقادی نسبت بہتر ہے جو خدا کو ذلیل کرے اور اس کے شایان شان نہ ہو پہلی حالت تو محض بے اعتقادی ہو اور دوسری خدا کی تذلیل و تحقیر۔ توہم پرستی بے اعتقادی کی نسبت زودتر بد اخلاقیوں پیدا کرتی ہے۔ توہم پرستی مملکت کے لئے بھی خطرناک ہے۔ کیونکہ اس سے ایسی قوتیں پیدا ہو سکتی ہیں جو مملکت کی قوت سے بڑھ کر ہوں اس حالت میں عقلمند مجبور ہوتے ہیں کہ احمقوں کی پیروی کریں۔

ایک اور موقع پر نہایت نفیس بات کہتا ہے جو مذکورہ مدعا کے بڑی حد تک موافق ہے۔

”ہرگز کبھی فلسفہ اور مذہب میں خلط و محنت نہیں کرنا چاہیے اس سے فلسفہ وہم یافتہ ہو جاتا ہے اور مذہب ٹھکانہ۔ ان دونوں کے مآخذ جدا جدا ہیں۔ فلسفہ ادراک حسی سے شروع ہوتا ہے اور مذہب کی بنا روحی و الہام ہے۔ سائنس میں نفس انسانی جو اس کے زیر اثر ہوتا ہے اور ایمان میں ایک دوسری ذات برتر (خدا) کے زیر اثر۔ اسی لئے ایمان سائنس سے اثر نہ ہے اور کوئی سرالہی جتنا برتر از گمان و یقین ہوتا ہے اس کا ماننا خدا کے سامنے اظہار نیاز ہے اور اتنا ہی زیادہ شاندار ایمان کا غلبہ جب ہم ایک مرتبہ دین کے اصولوں کو تسلیم کر لیں تو ان ہم اسی طرح منطقی نتائج اخذ کرتے ہیں جس طرح ہم فلسفہ میں اصول اولیہ سے اخذ کرتے ہیں لیکن ان دونوں میں بڑا اہم فرق یہ ہے کہ فلسفہ میں دیگر تمام قضایا کی طرح اصولوں کا بھی اعتقاد ہے کہ انتقادی امتحان کیا جاتا ہے لیکن مذہب میں ان کی الہی سند ہونے کی وجہ سے اصول اولیہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے جس طرح شطرنج کے اساسی قوانین معرض بحث میں نہیں آ سکتے ہیں۔“

۱۵ تاریخ فلسفہ جدید جلد اول ۲۳۵

۱۶ ” ” ” ” ۲۳۴

فطری و آزاد خیالی دونوں مذہب زندگی | گزشتہ توہنجی مباحث سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ فطری و آزاد
کی کشتی ساحل مراد پر نہ پہنچا سکے تھے | خیالی دونوں مذہب اس پوزیشن میں نہ تھے کہ ان کے ذریعہ جذبات
و مرغوبات کے سمندر میں موجوں کے ساتھ کھیلنے والی زندگی کی کشتی ساحل مراد پر پہنچ سکتی۔

دور جدید کے نازک و پرخطر موڑ میں فطرت سے بڑی توقعات والیتہ تھیں اور یہ واقعہ ہے کہ اگر
فطرت کے صحیح انداز میں نوک پلک درست کئے جاتے تو بجا طور پر اسکو رہنمائی کا حق حاصل تھا
لیکن اس مایوسی اور بے بسی کا کیا علاج کہ فطرت کے ابہام و مجہولیت کو وہ مفکرین بھی دور نہ کر سکے جنہوں نے
نظام فطرت پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ ہولباخ "HOLBACH" اور اسپینوزا "SPINOZA"
وغیرہ ایک طرف تو فطرت کو قائم بالذات، اپنی آپ علت اور آپ اپنا جوہر ازلی کہتے ہیں اور دوسری
طرف اس بات کے قائل ہیں کہ ہمیں صرف ان علتوں کا علم ہوتا ہے جو تجربہ میں عمل کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں
علل اولیہ کا علم نہیں ہوتا ہے۔ اس قول کی بنا پر فطرت کا تصور تجربہ پر قائم قرار پاتا ہے جبکہ پہلی صورت
میں اس کو محض ایک تعمیر فکر قرار دیا جاتا ہے۔

اس ابہام کے علاوہ بھی بہت سے سوالات ہیں جن سے فطرت کے مبلغین عہدہ برانہ ہو سکتے
تھے۔ مثلاً فطرت کی صحت و صداقت کا معیار کیا ہے؟ تجربہ ہم کو کہاں تک لے جاسکتا ہے؟ تعمیرات فکر کا
کا جواز کیا ہے؟ وغیرہ

اسی طرح زندگی کے بحران و تلاطم کو دور کرنے کے لئے عقل کی رہنمائی کو کافی قرار دیا گیا تھا۔ لیکن
زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ جذبات و مرغوبات کا طوفان اس شدید انداز میں اٹھا کہ عقل خود اس کی لپیٹ
میں آگئی پھر وہ رہنمائی تو کیا کرتی اس کو اپنی "گرہ" کی عقل نہ رہ گئی۔

ظاہر ہے کہ زندگی کے جن "تاروں" کا تعلق قلب سے ہے ان میں عقل کی رہنمائی بے سود تھی، ایسے ہی
زندگی کے جن مسائل کا تعلق عقل و قلب دونوں کے "آئینہ" سے ہے ان میں تنہا عقل بیکار تھی۔ اس
دور کے اکثر مفکرین نے نہ قلب کو علم و ادراک کا ذریعہ تسلیم کیا تھا اور نہ ہی زندگی کے مسائل حل کرنے میں
اس کو کوئی خاص مقام دینے کے لئے تیار تھے۔ لیکن ان کی محرومی و ناکامی خود شاہد ہے کہ عقل کے علاوہ

بھی کوئی "شے" ہے کہ جس کا زندگی کے مسائل سے گہرا تعلق ہے اور جس کی طرف توجہ کے بغیر زندگی کے "خالی خانہ" پُر ہونے کی کوئی شکل نہیں ہو۔

غرض ایک طرف عقل و فطرت کی ناقص و مبہم رہنمائی تھی اور دوسری طرف جذبات و مرغوبات کا موجیں مارتا ہوا سمندر جس میں زندگی کا "جہاز" مایوسانہ انداز میں چل رہا تھا۔

رد عمل کی شکل میں | اس صورت حال کا نتیجہ "رد عمل" کی شکل میں ظاہر ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ تنگ تہذیب جدید کا جائزہ | آکر یہ آوازیں بلند ہونے لگیں کہ تہذیب جدید نے نہایت بے ہنگم طریقے سے جلدی جلدی ہر طرف بڑتی کر لی ہے اور یہ سحر یک ایک غلط راستہ پر پڑ گئی ہے۔

اس احساس و تاثر کے بعد اصلاح کی فکر ہوئی اور فرانس کی اصلاحی اکاڈمی (انجمن ویران) نے ارباب علم و بصیرت کو تحقیق و ریسرچ کی دعوت دی کہ آیا علوم و فنون کی ترقی سے اخلاق کی صفائی ہوئی ہے یا اس میں کثافت آگئی ہے؟ اس موضوع پر بہترین مضمون کے لئے "اکاڈمی" نے انعام بھی مقرر کیا تھا۔

اصلاحات کے نقوش | قومی و جماعتی زندگی کے رمز شناس جانتے ہیں کہ اس قسم کے مقالوں اور بیانات سے نفس کی تسکین ہو جاتی ہے لیکن مرض کا اصل علاج نہیں ہوتا ہے۔

ان کے ذریعہ مرض کا احساس یقیناً کم ہو جاتا ہے اور اگر بروقت صحیح علاج سر آجائے تو مرض میں بھی افادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن دور جدید میں جس بحرانی زندگی کا تذکرہ ہو اس میں اصلاح کے لئے مضبوط قیادت اور منظم پروگرام نہ ہونے کی وجہ سے اصل علاج کی طرف زیادہ توجہ نہ ہو سکی تھی صرف ان دواؤں اور غذاؤں سے کام لینے کی کوشش ہوتی تھی جو انتہائی کرب و الم میں سکون قلب کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

بلاشبہ "رد عمل" کے طور پر اصلاح کے کچھ نقوش و حدود ابھرے تھے جن سے معاشرتی زندگی میں بعض مفید اور انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ لیکن چونکہ ان کی بنیاد میں مستحکم اور مضبوط نہ تھیں۔ نیز "جواہر" کی پرورش اور خیراتیم کی خاتمہ کے لئے کوئی منظم پروگرام نہ تھا اس لئے ان سے زیادہ ان کا کام نہ چل سکا اور پھوڑے ہی دونوں بعد وہ طوفان زیادہ شان و شوکت کے ساتھ عود کر آیا۔

اس دور میں قائدین کی ضرورت تھی | ذیل میں دو اہم شخصیتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کے نظریات و مقالات اور "روسو" "کانٹ" مفکر تھے | نے زندگی میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی تھی وہ ہیں "جین جیک روسو" (پیدائش ۱۷۱۲ء وفات ۱۷۷۸ء) "JEAN JACQUES ROUSSEAU" اور ایمینول

کانٹ IMMANUEL KANT

پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ دونوں حضرات مفکر تھے قائد تھے۔ قائدین میں جن خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے وہ بڑی حد تک ان میں مفقود تھیں البتہ مفکرین کی خصوصیات ان میں موجود تھیں (قائدین کی خصوصیات نیز قائدین و مفکرین میں امتیاز کو سمجھنے کے لئے راقم کی کتاب "عروج و زوال کا الہی نظام" مطالعہ کرنا چاہیئے)۔

اجتماعی زندگی کے ماہرین غالباً اس حقیقت سے انکار نہ کر سکیں کہ جب زندگی کا جہاز طوفان میں پھنسا ہو اور کوشش کے باوجود "کپتان" بے بس ہو چکا ہو تو قائدین ہی سے جہاز کو ساحل مراد پر پہنچانے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات روحوں اور دلوں کی بستیاں الٹ کر ان میں ایمان و اعتقاد کی قوت بھرتے ہیں اور ذہنی و اخلاقی استعداد کی تربیت کر کے زندگی کو کھینچنے کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ مفکرین چونکہ صرف خیالات و افکار پیدا کر کے زیادہ سے زیادہ سے انھیں دوسروں تک پہنچانے پر اکتفا کرتے ہیں اس لئے قومی و جماعتی زندگی کے نشیب و فراز اور پرخطر گھاٹیوں کو عبور کرنے میں انھیں زیادہ کامیابی نہیں حاصل ہوتی ہے۔

پھر صحیح قیادت کے لئے جس قسم کی عالی ظرفی، بلند ہمتی اور کردار کی پختگی وغیرہ درکار ہے ان مفکرین میں بڑی حد تک وہ بھی مفقود ہوتی ہے۔

روسو کی عظیم شخصیت | "روسو" پہلا اور عظیم شخص ہے جس نے اس بحرانی دور میں ایک گہری اساس کو نمایاں کر کے تہذیب کے سکہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا اس کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے زندگی کے دھارے کے ساتھ بہنا پسند نہیں کیا بلکہ زمانہ کی نبیض کو پہچان کر دھارے کے خلاف تیرنے کو ترجیح دی۔ اس کی عظمت کو سمجھنے کے لئے اس دور کے حالات کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہے۔

کا سرسری جائزہ " آخر ش اکھٹا رھو یں صدی عیسوی کی گری ہوئی اخلاقی حالت نے

ممالک میں عیسائیت اخلاق کے دلپذیر حالات میں تبدیل ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ ان موبہوم اور بے اصول اخلاق کی وجہ سے کئی مخفی انجمنیں جیسے کہ ”روزیٹی“ اور الیومینٹی“ چھڑ دیں کے حلقے وجود میں آ گئے تھے جنہوں نے مذہب کی جگہ مشین اور علامتی رسمیں رکھی تھیں۔

ایک طرف یہ حالت تھی اور دوسری طرف علوم و فنون کی نئی روشنی سے دنیا کی آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔ نشاۃ ثانیہ کے ادبی کارنامہ - فنون لطیفہ اور سائنس و فطرت کی معرکہ آرا ایجادوں نے لوگوں کو سحر کر رکھا تھا اور ایک انسائیکلو پیڈیا (جس کا ایک شریک روسو بھی تھا) تیار ہو رہی تھی کہ جس کا اہم مقصد معمولی پڑھے لکھے لوگوں کو بھی نئی علمی و ادبی تحریکات سے روشناس کرانا تھا۔

دیا "انسائیکلو پیڈیا" اٹھارہویں صدی عیسوی میں فرانس میں تیار ہوئی تھی جس میں لاگ JOHN
LOCKE (پیدائش 1632ء وفات 1704ء) کے فلسفہ اور دیگر جدید علوم کی مدد سے پُرانے علمی اور مذہبی
خیالات پر سخت تنقید کی گئی ہے، "روسو" نے مختلف مضامین میں یسوعی پُر اور ایک معاشیات پر لکھا تھا۔

علوم و فنون کے افادی اثرات | ظاہر ہے کہ ان حالات میں موجودہ علوم و فنون کی شان میں گستاخی کرنا یا
نتائج پر روسو کی تنقید | ان کی افادیت کو مجروح قرار دینا معمولی ہمت کا کام نہ تھا۔

۱۵ اخلاق پر پ ماک از ایچ موراسیفنس ۱۶ مقدمه معاہدہ عمرانی

ادھر فرانس کی مذکورہ انجمن "ریزیون" نے جس موضوع پر مقالہ لکھنے کی ارباب علم و بصیرت کو دعوت دی تھی اس کا تعلق علوم و فنون کے افادی اثرات و نتائج پر تنقید ہی سے تھا۔

"روسو" وہ بامہمت شخص ہے جس نے فلسفہ تنویر اور حالات موجودہ کا تنقیدی جائزہ لیا اور مذکورہ موضوع پر مقالہ پیش کر کے انعام اور شہرت حاصل کی۔

"روسو" کی خیالی و فکری دنیا میں تقریباً ہر جگہ انسانی فطرت اور تہذیب و تمدن کا تضاد نظر آتا ہے اس کے نزدیک حالت فطرت ایک خالص جبلی حالت ہے جس کو تہذیب و تمدن پر اس لئے تفوق حاصل ہے کہ فطری حالت میں انسان کی ضرورت اور اس کو پورا کرنے کی قابلیت میں توازن ہوتا ہے۔ فطرت سے مراد وہ سادگی۔ مساوات۔ بھلائی اور آزادی لیتا ہے اور تہذیب و تمدن کے لوازم تعیش بد اخلاقی، غلامی اور ایمان و یقین کی کمزوری ہیں۔

باقی

الحیۃ الکثیر (عربی)

حجۃ الاسلام مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کی نہایت بلند پایہ کتاب -
 'الحیۃ الکثیر' جو مخزن ہے اسرار و معارف کا، علم حقائق کا، اور بات بالکل ظاہر ہے کہ جب تک بشریت کے غوامض و حکم سے پوری واقفیت نہ ہو اس کے بغیر ایمان محض ایمان یا غیب و عمل صرف تعمیل حکم کے درجوں تک محدود رہتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے کتاب و سنت سے خود ایک فلسفہ تیار کیا ہے جسے ہم اسلامی فلسفہ کہیں تو مناسب ہے۔ اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب نے یہی فلسفہ پیش فرمایا ہے۔ الحیۃ الکثیر کے معلق حضرت علامۃ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

"ان درجۃ فی کشف الحقائق ارفع من حجة الله البالغہ وغیرہا من تالیفات

الشاہ ولی اللہ؟" آپ کے اس قول سے کتاب کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

تفصیل خورد - قیمت پچھریں - مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۷